جدید ترکی ادب میں معاشرتی موضوعات

مرتبہ جناب محمود الحسن صاحب۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

(۱)

ازکمال کرپاٹ۔ یہ " ترکی کی سیاسیات " نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ انقرہ یونیورسٹی میں مشرق وسطیٰ ٹیکنیکل یونیورسٹی کے تحت انتظامیہ شعبہ کے ایکٹنگ چیرمین تھے۔ اب مونٹیا اسٹیٹ یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس کے مددگار پروفیسر ہیں۔ یہ مضمون ۱۹۶۰ء کے " مڈل ایسٹ جرنل " میں شائع ہوا تھا۔

جدید ترکی ادب کو لازمی طور پر ملک کے جدت پسندانہ اور مغرب پرستانہ رجحان سے مربوط کردیا گیا ہے۔ اور اس کا کام یہ ہے کہ جدید اصلاحات کی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور وسعت دینے میں مددگار ہو۔ ترکی ادب ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اپنے کو ترقی اور تغیر کلی کے حوالہ کررہا ہے، وہ جدید اصلاحات سے، جو مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں، قوت عمل حاصل کرتا ہے۔ گذشتہ نصف صدی سے ترکی ادب کی نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ اس نے اپنا قریبی رشتہ سماج کے مقدر سے وابستہ کرلیا ہے، بالخصوص جب سے تحریک اصلاحات نے تہذیبی میدانوں میں قدم رکھا نیز ذہین طبقہ کی بڑی تعداد مغربی خیالات سے آشنا ہوئی اس دور کی نامور ادبی شخصیتوں نے زیادہ شہرت اپنے سیاسی اور سماجی تصورات کی بنا پر جن کا تعلق سماج کی تقدیر سے تھا، حاصل کی کیونکہ انھوں نے فن کے ساتھ موضوع کی اہمیت کو اپنایا۔ مثال کے طور پر نامق کمال، ضیا پاشا اور عبدالحق حامد کی نظمیں اور ڈرامے براہ راست عمل تجدید کی پیداوار ہیں، چاہے یہ تخلیقات اس رجحان کی تنقید کرتی ہوں یا اس بات کا مطالبہ کرتی ہوں کہ وہ سیاسی واجتماعی جو تنظیمی اور سیاسی اداروں کے ساتھ مغرب سے اخذ کئے گئے تھے انھیں عمل تجدید سے وسیع پیمانہ پر ہم آہنگ کیا جائے۔ ضیا گکلپ نے جو ترک قوم پرستی اور تجدد کو باضابطہ شکل دینے والا ہے اور جسے بعد میں ملک کی جمہوری حکومت نے بھی اپنایا اپنے خیالات کو نظموں

میں پیش کیا اور اس بات کی پُر زور تائید کی کہ ادب کو قوم پرستی کے لئے استعمال کرنا چاہیئے تاکہ سماج جدّتِ عملی کی راہ پر گامزن ہو۔ توفیق فکری، محمد عاکف اور محمد یامین جو اگرچہ متضاد خیالات کے حامل تھے پھر بھی یہ شعراء فن سے زیادہ سیاسی و سماجی خیالات سے دلچسپی رکھتے تھے، تقریباً ربع صدی تک سیاسی موضوعات ادب کے لئے بنیادی قوتِ عمل کا کام کرتے رہے مگر بعد میں رفتہ رفتہ اس کی جگہ سماجی موضوعات نے لے لی۔ معاشرتی ترقی کی تیز رفتاری، نئے ذہین طبقہ کا ظہور جو کسانوں اور متوسط طبقہ سے اُٹھا تھا اس بات کا متقاضی ہوا کہ سماجی اقدار کی نئی تشریح کی جائے اور اسے نئے سماجی ڈھانچہ سے ہم آہنگ کیا جائے جو ترکی میں تجدد سے پیدا ہوا تھا۔ مزید برآں دوسری جنگ عظیم سے متعدد سیاسی پارٹیوں کے قائم ہونے اور پہلے کی نسبت وسیع آزادی نے سوسائٹی میں زیادہ جمہوری اور آزادانہ روح پیدا کی، سماجی مسائل پر بحث مباحثہ نے تحریک کا کام کیا اور باہمی اتحاد و رواداری کا ماحول پیدا کیا۔

ادب میں سماجی مسائل کا ظہور اور اس پر جمہوری روح کا غلبہ دراصل اس ارتقاء کے صحت مند علامات ہیں جو فی نفسہ سوسائٹی میں واقع ہو چکا تھا اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ سیاسی و تہذیبی اصلاحات نے اپنی جڑیں اتنی گہری کرلی تھیں کہ ان اصلاحات کو سماجی تدبیروں کے ذریعہ وسیع کرنے اور اُن میں باہمی اشتراک پیدا کرنے کا تقاضہ ہونے لگا تھا اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ترکی کو یہ مسئلہ درپیش تھا کہ وہ ان تصورات کو جسے سماجی و معاشی ارتقاء نے پیدا کیا تھا انھیں مضبوط Ideology کی شکل میں ڈھال لے۔ دراصل یہ مسائل ہم آہنگی کے مسائل ہیں بالکل اسی طرح کے جس سے مغربی یورپ زمانہ حال کی تاریخ میں متعدد مدارج سے دوچار ہوا تھا۔

جدید ادب ترکی کے سماجی مسئلہ کی فطرت اور اس کی مخصوص ہیئت کے بارے میں قابل قدر بصیرت فراہم کرتا ہے۔ اس میں سماجی مسئلہ کے مادی و معاشی اسباب پر زور دیا گیا ہے۔ تعلیم کو بڑی اہمیت ملی ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ مربوط سماجی ترقی کی راہیں کھلتی ہیں، تعلیم کو، عقل و تجربہ پر زور دیکر، واحد ذریعہ سمجھا گیا ہے جس سے اوہام پرستی اور تقدیر پرستی پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی دونوں ستون پرانے نظم کو اٹھائے ہوئے ہیں سماج میں دوئی پیدا کرتے ہیں اور اس کی روایات کو نئی شکل اختیار کرنے سے روکتے ہیں، اس حد تک موجودہ زمانہ کا ادب یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ آئیڈیالوجی کا حامل ہے۔

پھر بھی وہ موجودہ سماجی وجمہوری حالت جہاں تک ترکی تجدد پرستی کے ذریعہ پہونچا ہوا اُس نے متضاد صورتِ حال پیدا کردی ہے جس میں جدت پسند دماغ اور روایات کا باغی ذہین طبقہ زندگی اور فکر میں مکمل تجدید کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسے سوسائٹی کی عظیم اکثریت کے موثر اختلاف سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ سوسائٹی تجدید کے محض مادی پہلوؤں کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے لیکن اخلاقی وتہذیبی پہلوؤں کو ناقابل قبول سمجھتی ہے کیونکہ اس کے خیال میں وہ اسلامی اقدار سے ٹکراتی ہیں۔ اس طرح مکمل تجدید جس کی تبلیغ ذہین طبقہ کررہا ہے وہ بغیر طاقت کے استعمال کے وجود میں نہیں آسکتی۔ مگر یہ چیز رہی سہی اس جمہوریت کو بھی تباہ کردیگی جسے پچھلے پندرہ سال میں قائم کیا گیا ہو اور جس کی مسلسل تائید خود یہ ذہین طبقہ کرتا رہا ہے، دوسری طرف تجدید، اگر اُسے اکثر لوگوں کی اصولی اصلاح کے مطابق عمل میں لایا گیا تو اس کا دائرہ محدود ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ اس کی عمر مختصر اور غیر مادی بنیاد پر ہو۔

دونوں گروہوں کی بڑھتی ہوئی تہذیبی خلیج کو اسی صورت میں پاٹا جاسکتا ہے جب تجدید کا تیسرا اور نیا مفہوم تلاش کیا جائے جو دونوں گروہوں کے لئے قابل قبول ہو اور انھیں مشترک مقاصد کے لئے کام کرنے پر مائل کرے۔ تجدید کے اس نئے مفہوم کی روح ادبی کارناموں میں پائی جاسکتی ہے۔

ادب دونوں جماعتوں میں ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا یہ عمل دو طریقوں سے ہوتا ہے، پہلے تو وہ طاقت ور تجدد کی اصول پرستانہ اور اعتقادی تشریح کو خیرباد کہدیتا ہے مگر تجدد کی بنیادی روح اسکی رگوں میں دوڑتی رہتی ہے، دوسرے یہ کہ وہ مغربی تصورات کی اس طرح تشریح کرتا ہے جو سوسائٹی کے اپنے تہذیبی اقدار سے موافق ہو اور انھیں سماج کے اپنے طریقہ کے مطابق قبول کرتا ہے۔ اس طرح موجودہ سماجی ادب پوری سوسائٹی کے نمائندہ کی حیثیت اختیار کرلیتا ہو اور ہر فرد کو چاہے وہ عامی ہو یا غیر عامی انھیں یکساں نظر سے دیکھتا ہے کیونکہ وہ سوسائٹی ہی کا پیدا وار ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں اولین ذمہ داری ملک کے ذہین طبقہ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ سماج کی حقیقی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے اور اُن کے طرزِ زندگی کا احترام کرتے ہوئے انھیں روشن خیال قیادت فراہم کرے، عام شہری پر زور دیا جائے کہ وہ بدلتی ہوئی دنیا کو سمجھنے کی کوشش کرے اور ذہین لیڈروں کے بصیرت افروز مشوروں سے مدد لیکر اس تبدیلی سے ہم آہنگی پیدا کرلے، تمام افراد کے درمیان ایک مضبوط

سماجی جذبہ عمل کا اتحاد تسلیم کیا جائے اور ہر وہ کوشش جو اس اتحاد کو کمزور کرے اس کی مذمت کی جائے گاؤں اور اس میں بسنے والوں نیز شہر کے غریب عوام ادب میں نئے موضوعات بن کر جماعتی اتحاد کی روح میں دیکھی جائیں۔ انھیں مالدار و ذہین طبقہ کی امداد کا مستحق سمجھا جائے۔ دراصل اس طبقہ کی امداد اخلاقی ذمہ داری ہے۔ یہ بات اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جدید ترکی ادب نہ صرف اخوت، برادرانہ اتحاد اور اس کی ذمہ داری کا اسلامی تصور اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے بلکہ اس نے ان کے مفہوم میں وسعت پیدا کی۔ ان کی تعریف جدید اصطلاحات اور سماج اور سماجی ذمہ داری کے ذریعہ کی ہے۔

یونس امری کی روح اس کی انسان دوستی اور زندگی کا احترام وہ اقدار ہیں جو اس ادب میں کارفرما ہیں اور جو عرصہ سے سماج کی جڑوں میں زندہ ہیں۔ یہ اقدار اب تہذیب کی اوپری سطح پر پہونچ گئے تھے اس سطح تک لانے والے وہ لوگ تھے جو اس سماجی طبقہ کے نمائندے تھے اور جو اس کی بہترین روحانی اقدار کو پیش کرتے تھے۔ اس طرح جدید ترکی ادب نے نہ صرف اپنے سماج کی بنیادی انسانی اقدار کو محفوظ کر لیا بلکہ مغرب کی انسان دوستی کی مسلم الثبوت روح کے مطابق انھیں عالمی وسعت عطا کی اور انھیں مغربی ٹیکنک کے ذریعہ بیان کیا اس طرح بیک وقت وہ ترکی اور مغربی خصوصیات کا حامل ہے کیونکہ ایک طرف اس نے ترکوں کو انسانیت کے عالمی تصور کے سیاق و سباق میں رکھا۔ دوسری طرف اس کی آزادی، ارادہ کو تمام سرگرمیوں کی بنیاد کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ وہ دن قریب ہے جب ترکی ادب، جواب عالمی مزاج کا ادب ہے، عالمی شہرت کی تخلیقات پیش کریگا مختصر کہانی پہلے ہی سے اعلیٰ معیار کو پہنچ چکی ہے۔ چنانچہ Halid Edip Adivar مشہور ناول ہے جو اس کی مختصر کہانی کا مقابلہ کرتی ہے۔

ترقی کی موجودہ سطح جہاں تک ترکی ادب پہونچا ہے اس کو سمجھنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ ان متعدد سیاسی، سماجی اور تہذیبی قوتوں کو نہ سمجھا جائے جو اس کی مکمل تبدیلی کی وجہ ہوئیں اور جس نے اس کو ارتقار کی اصلی روش اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

اقدار کا عثمانی مجموعہ جس کے خلاف ترکی میں جدید تغیر کلی واقع ہوا تھا اس میں اس کا عکس موجود تھا اور کسی حد تک عثمانی ادب کا پیداوار تھا وہ ادب تین حصوں میں منقسم ہے جو تین سماجی گروہوں سے تعلق رکھتا

ہے ۔ پہلا درباری ادب جس کا تعلق محل اور علمار سے تھا، دوسرا درویشوں کا مذہبی و صوفیانہ ادب، تیسرا آبادی کی اکثریت کا ادب ۔

درباری ادب ۔ یہ ادب خاص طور پر عربی و فارسی اثرات کا پیداوار تھا ۔ دنیائے اسلام اور اس کے ادب میں خیال کا اتحاد تھا اس کی اتباع کے نتیجہ میں ادب کے مضمون کو چند موضوعات میں محدود کر دیا ۔ اور اسلامی عقیدے کے اثر سے خارجی حقائق کی تلمیح سے بچکر ادب کا زندگی اور فطرت سے باریک تعلق رہ گیا ۔ اس کے مقابلے میں صوفیانہ ادب اناطولی اور رومالین آبادی میں اسلام کو جاگزین بناتے اور پھیلانے میں حقیقی طور پر نازک ترین حصہ لے چکا تھا ۔ ان رزمیہ نظموں میں جن کے اندر بازنطینی عیسائیوں اور ترکی مسلمانوں کی جنگوں کا تذکرہ کیا گیا ہو اس سے اسلام کی اشاعت کے لئے جنگ کا کام لیا ۔ مثال کے طور پر رزمیہ نظمیں Damismendame ، Seyyit Battle gazi اور ان سب میں اہم ترین مگر غیر معروف Saltukname اپنے مذہبی خدمات کے علاوہ انھوں نے ایک فلسفۂ زندگی کا بیج بویا اور بہادرانہ انداز کی بنیاد ڈالی جس کے گہرے اثرات اناطول کے عوام میں موجود ہیں ۳ یونس امیر کا جس نے خالص ترکی زبان میں لکھا ہو اس ادب کے ممتاز شعرار میں شمار ہوتا ہے ۔ بنی نوع انسان سے اس کی گہری محبت، جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں اور اس محبت کے اظہار میں اس کی لطافت نے ترکی کے عوامی گیتوں اور جدید ادب کو بے حد متاثر کیا، ۴

سولہویں صدی کے بعد اس صوفیانہ درباری ادب میں زوال آگیا جس نے فطری طور پر ہر ایک کی روح اور ہیئت کو متاثر کیا، اور درحقیقت دونوں ایک ہی طرح کے ہو گئے ۔ دونوں نے دنیاوی تعیشات، عورت اور شراب پر توجہ مرکوز کی ۔ اور دونوں نے مسلسل زندگی کی بے ثباتی کو بیان کیا اور اس سے مکمل عیش کوشی پر زور دیا، روحانی و دماغی عیش کوشی نہیں جسمانی لطف اندوزی پر، تاہم اس ادب نے اگلی صوفیانہ نظموں کے اثر سے کچھ اخلاقی احساسات کو زندہ رکھا جن کا محض رسمی طور پر اعادہ کیا جاتا تھا ۔ مگر اس پر حقیقی ایمان نہیں تھا تاکہ نچلے طبقہ کو زہد اور ترک دنیا کی ترغیب دلائی جاتے ۔ یہ صوفیانہ اور درباری ادب جو اونچے طبقہ کے عتابیوں کا ادب ہے ۔ وہ الفاظ اور اظہار بیان میں سمٹ کر رہ گیا ہو جو چند منتخب لوگوں کے لئے تھا ۵

اس کی زبان ترکی کے عوام کی بول چال والی زبان سے مختلف تھی۔ اس کے خیالات زندگی سے کوئی رشتہ نہیں رکھتے تھے۔ فطری احساسات اور آمد سے عاری، ہیئت و فارم کے سخت پابند اس ادب نے ذہین طبقہ کے دماغ کو ڈھالا یہاں تک کہ جدید نسل بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ ۶

قدیم ادب میں نظم کو اظہار بیان کے لئے زیادہ استعمال کیا جاتا تھا اور نثر کو سوائے تاریخی واقعات کے بیشتر نظر انداز کیا جاتا تھا البتہ چند افراد مثلاً Veysi ۷ اور Nergisi نے سترھویں صدی میں نثر نگاری کی کوشش کی اور سادہ خیال کو ہزاروں غیر ملکی الفاظ کے استعمال کے ساتھ بیان کرنے میں کامیاب ہوئے تھے اگرچہ وہ ناقابل فہم ہیں.... یہ طویل نگاری کے ماہرین جو اظہار بیان اور ترک خیالات کی حقیقت کے درمیان رشتہ توڑنے میں کامیاب ہو گئے تھے، درباری ادب کے کامیاب نثر نگار سمجھے جاتے تھے۔ ۷

ترکی میں نثر نگاری بہت مشکل رہی ہے۔ اگرچہ ادبار کی جدید نسل نے اس دشواری پر بڑی ہوشیاری سے قابو پالیا ہے، تاہم مبہم سادہ خیالات کے اظہار کا پُرپیچ طریقہ اب بھی صوبائی رسالوں حتیٰ کہ بعض عالمانہ تصنیفات میں دیکھا جاسکتا ہے۔ بہت سے ترکی عالموں کی تحقیق اب بھی کتابوں کے اس طرز مطالعہ پر مبنی ہے کہ اس کا زندگی اور صداقت سے کوئی رشتہ نہیں ہے، ذہنی و عقلی کام کا یہ طریقہ اس عثمانی اسلامی ادبی اثرات کا نتیجہ ہے جس میں الفاظ کو حقیقت سے جوڑنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔

Folklore نے 'جو تیسرا اور مقبول ترین ادب ہے' ان اثرات کے باوجود جو دربار اور مذہبی ادب سے آرہے تھے اپنی فطری اور غیر مصنوعی روح کو باقی رکھا۔ دیہاتی، گڈریئے اور خانہ بدوش قبائل، جو فطرت اور واقعیت سے قریب رہتے ہیں انھوں نے اپنے احساسات کو براہِ راست اپنی مقامی خالص سادہ ترکی زبان میں بیان کیا۔ نیز عوامی گویئے جو اگرچہ اکثر مقامی حکمرانوں کے تابعدار ہوتے تھے اور بڑی حد تک مذہبی اثر سے متاثر تھے انھوں نے بھی زبان کی نفاست اصلیت کو باقی رکھا اور واقعیت سے قریب رہے کہ جمہوریہ کے بالکل فطری امر تھا۔ خاص طور پر ابتدائی بیس برسوں میں کہ وہ عوامی گیتوں کو قومی تہذیب کی بنیاد کے لئے اہمیت دے۔

بیسویں صدی میں مملکت عثمانی کے اندر مغربی تہذیب کے اثر و نفوذ نے خاص طور پر درباری اور مذہبی

ادبیات کی جڑیں کھوکھلی کردیں۔ رسالوں کی اشاعت نے نئے تصورات کو بڑی تعداد میں لوگوں کے اندر پھیلایا اور ابراہیم سنائی آفندی، احمد رفیق پاشا کے مغربی کتابوں کے تراجم نے یورپ کے بارے میں اطلاعات اور اس کے طرزِ فکر کی اشاعت میں مدد پہونچائی۔ ادب کے تمام میدانوں میں فرانسیسی اثرات غالب تھے انیسویں اور بیسویں صدی کی ابتدا میں ڈراما اور ناول نگاری نے فرانسیسی نمونوں کی پیروی کی ۹۔ کچھ یقیناً اثرات سے آزاد تخلیقات نہیں۔ انگریزی کے بجائے فرانسیسی اثرات کی بالادستی، باوجودیکہ مقدم الذکر کو انیسویں صدی میں سیاسی تغلب حاصل تھا، اس حقیقت کی بنا پر ہوسکتی ہے کہ فرانسیسی فکر کسی حد تک عقائدی خصوصیات کا حامل تھا جو عثمانی دماغ کے لیے موزوں تھا۔ اس کے علاوہ نیا ابھرتا ہوا عثمانی ذہین طبقہ آسانی سے فرانسیسی رومانیت کے جادو سے مسحور ہوگیا۔ محض اس وجہ سے نہیں کہ رومانیت فی نفسہ مبہم تھی بلکہ اس لئے بھی، حقائق سے فرار اور اپنی متلون جذباتیت کے ذریعہ رومانیت عثمانی ادب کی اس روح سے مشابہت رکھتا تھا جس میں اس ذہین طبقہ نے نشو ونما پائی تھی۔ ۱۰۔

متلاشیانِ راہ کی پہلی جماعت، یا دوسرے لفظوں میں ادب میں تجدید کے پیش رو جنھیں شعراز تنظیمات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کے بعد ادبیاتِ جدید کی جماعت ابھرتی ہے جو ۱۹۰۱ - ۱۸۹۷ تک آخر کار "سائنٹفک ریویو" سے منسلک ہو کر اپنی تخلیقات کو شائع کرتے تھے۔ اس مجلّہ میں لکھنے والے توفیق فکری، شباب، شہاب الدین، سلیمان، ناجف اور حسین سیرت تھے، اگرچہ یہ سب مغربی رجحانات وخیالات کی عکاسی کرتے ہیں، پھر بھی کسی حد تک انھیں مقامی حالات، سوسائٹی کی سیاسی وتہذیبی ضرورت اور آزادی کی جدّ وجہد سے ہم آہنگ کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ آخر کار ۱۹۰۱ء میں یہ لوگ عبدالحمید ثانی کی قدغن کا شکار ہو کر خاموش ہوگئے کیونکہ اس نے دیکھا کہ ادب سے اس کی آمریت کو زبردست خطرہ ہے۔ اس نے تمام ادبی نشرو اشاعت کی سرگرمیوں کو بند کردیا۔

۱۹۰۳ کے نوجوان ترک انقلاب نے بڑی تعداد میں مختلف رجحانات رکھنے والے رسالوں کی اشاعت کی اجازت دیکر ادب کو جدید رنگ میں ڈھالنے کی ہمت افزائی کی۔ اس ادب میں مرکزی موضوع قوم پرستی معلوم ہوتی ہے، ترکی زبان اور ترکی عناصر کو ادب کے ساتھ سیاسیات میں بھی اولین مقام دیا گیا۔

عمر سیف الدین، اور علی کینیپ کا رسالہ Young Pens نوجوان قلم نے عوامی ترکی زبان کو استعمال کیا، جیسا کہ عمر سیف الدین کی تخلیقات سے پتہ چلتا ہے۔ پہلے ہی سے عام آدمی اور اس کی روزمرہ زندگی کو بیان کرنے کی تحریک موجود تھی، دوسرے رسالوں جنھوں نے آرٹ اور ادب کے بارے میں نئی راہ اختیار کی ان میں Fecnimotin "جو سائنٹیفک ریویو" کا سلسلہ تھا اُس نے فن برائے فن کی مدافعت کی، تاہم اس ادب نے قدیم ترکی ادب سے مکمل علیحدگی اختیار نہیں کی تھی چنانچہ پان اسلام ازم اور بعد میں پان تورانی تحریک نے مغرب کی مکمل تقلید سے باز رکھا، تحریک اتحاد و ترقی' ۱۹۱۸ - ۱۹۱۵ کے آخری سالوں میں، بہر حال لادینی پالیسی اچھی طرح باعمل تھی اور تہذیبی مسائل میں تجدید ہونے پر زور حرکت پیدا کر لی تھی، محدود مذہبی اصلاح کا آغاز، یونیورسٹیوں کا افتتاح اعلیٰ تعلیم کی درسگاہوں میں لڑکیوں کا داخلہ یہ سب اس کی چند مثالیں ہیں۔ ۱۱

جمہوریہ کا قیام ۱۹۲۸ - ۱۹۲۵ کی اصلاحات نے ترکی کی تہذیبی ترقی اور اس کے ادب میں نئے دور کا افتتاح کیا۔ حکومت نے تہذیبی زندگی کو جدید نظریات کے مطابق ڈھالنے میں مستعدی سے مداخلت کی۔ ۱۹۳۱ء میں عوام کے گھروں Peoples Houses کا قیام عمل میں آیا جس کے سپرد ادبی، فنی، ڈرامائی اور تخلیقی منصوبوں کے متحدہ پروگرام کے ذریعہ عوام کی تہذیبی آزادی کا کام تھا۔ ۱۲

یہ عوامی گھر جو" ترکی گھر بار" کے بجائے قائم کئے گئے تھے، یہ ترکی گھر بار ۱۹۱۱ء میں قائم کئے گئے جو ترک قوم پرستی کی اشاعت کا آلۂ کار تھے" جمہوریہ کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول Populism کو بروئے کار لانے کے لئے مرکزی وسیلہ کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے۔ یہ جیسا کہ حقیقی معنوں میں سمجھا گیا سماجی اور تہذیبی مفہوم رکھتا ہے، سیاسی طور پر اس کا مقصد عوامی اقتدار اعلیٰ کو قائم کرنا تھا۔ سماجی طور پر خاندانی خصوصی رعایات اور خطابات کو ختم کرنے کی ضرورت کا اظہار کیا اور بالآخر اس نیم جاگیردارانہ نظام کو مٹانا تھا جو ملک کے مشرقی علاقہ میں موجود تھا" قانون کی دفعہ ۱۵۰۵ جس کا مقصد مشرقی علاقہ کے باغی زمینداروں کی جائداد ضبط کرنا تھا' خاص طور پر اپنے سیاق و سباق میں مطالعہ کا محتاج ہے" ۱۳ - تہذیبی پہلو سے اس کا مقصد ترکی ادب کو زندگی اور فطرت کی طرف نئی سمت متعین کرنا تھا اس طرح کہ عوامی گیت اور روزمرہ کی عوامی زبان جو تحریک کا سرچشمہ ہو،

اس کے استعمال پر مبنی ہو۔ جمہوریت فرد سے قوم کے ساتھ مکمل اتحاد اور انفرادی مقاصد سے دستبرداری کا مطالبہ کرتی تھی۔ جو بصورت دیگر انفرادی اور آزادانہ نظریات سے متضاد معلوم ہوتی ہو۔ ایک شخص کہہ سکتا ہو کہ امت کی روح۔ اسلامی گروہ سے اتحاد کے ساتھ جسے سیاسی اصطلاحات میں بیان کیا گیا تھا وہ جمہوریت کی شکل میں تبدیل ہو کر محفوظ ہو گئی۔ عوامی گھروں نے ترکی جمہوریہ کی تہذیبی پالیسی کا اظہار کیا، اسے عملی جامہ پہنایا اور ماضی سے پیٹھ پھیر کر زندگی کے ہر میدان میں مغرب کو تجدید کے سرچشمہ کی حیثیت سے قبول کیا۔ ماضی سے رشتہ منقطع کرنے کی غرض سے لاطینی رسم الخط کو اپنا یا گیا۔ اور نئی نسلوں کو مغرب سے تہذیبی تحریک حاصل کرنے پر زور دیا گیا، بالآخر اس کا مقصد نئی سوسائٹی کا قیام تھا جو قوم پرستانہ، مادہ پرستانہ، سائنس ٹیکنالوجی اور آرٹ پر مبنی ترقی پسندانہ خصوصیات کا حامل ہو، ایسی سوسائٹی جو انسانی زندگی کے روحانی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے مادی دنیا کی اہمیت اور اُس کی بالا تری کو تسلیم کرلے اسی طرح سماج کی ایک نئی مصلحانہ اور فن کارانہ تعلیم ادب کی بنیادی ذمہ داری بن گئی۔ ۱۴

ادبی تخلیقات جن کی ہمت افزائی کی جاتی تھی اور ڈرامے جو جمہوری گھروں کے اسٹیج پر لائے جاتے تھے انھیں مندرجہ ذیل ضروریات کو پورا کرنا پڑتا تھا" قوم اور ملک سے محبت کے جذبات کو پروان چڑھانا، اصلاحات کے جذبہ کو تقویت دینا، ترکی تاریخ کے شاندار اور عظیم ماضی کو دوبارہ زندہ کرنا، آزادی کی جنگ میں بہادری کی مدح کرنا، شہروں قصبوں اور ملک کے ہر کونے کی خوبصورتی کو اس طرح بیان کرنا کہ ان میں دلچسپی پیدا ہو، توہم پرستی اور بُری روایات کی بدہیئتی پر روشنی ڈالنا، مثالوں کے ذریعہ ہر میدان میں اخلاقیات پر زور دینا جمہوریت کے لئے اندرونی میلانِ خاطر اور اس میں دلچسپی کو اُبھارنا" ۱۵

اس جدید ادب نے فطری اور زندگی کے آزاد تصور کو اپنایا، جسے حکومت عوامی بنانا چاہتی تھی، اتاترک نے ادب کے مقصد کو اس طرح بیان کیا ہے" وہ ایسی کوشش کا حامل ہوتا ہے جو بچے کو دنیا اور انسانیت کے بارے میں سبق دے۔ اس کے اندر تجزیہ اور ترکیب کی صلاحیت کو ترقی دے، خود کام کرنے کے قابل بنائے اور ان تمام صلاحیتوں کو اپنے ملک کی تعمیر میں استعمال کرنا سکھلائے ۱۶۔ ۱۹۳۴ء میں انقرہ یونیورسٹی کے اندر اصلاحات پر لازمی کورس پر پہلا خطبہ دیتے ہوئے عصمت انونو نے کہا۔

"ترکی اصلاح کی زندگی کا تصوّر بہت سادہ ہے اور فطری قانون پر مبنی ہے۔ زندگی ایسی چیز ہے جس سے محبت کرنا چاہیئے ۲
اس سے حفاظت کرنی چاہیئے اور اسکو گذارنا چاہیئے کوئی دشواری چاہے وہ کیسی بھی ہو ہمیں یہ حق نہیں دیتی کہ ہم اپنی زندگی کا
احترام نہ کریں ہر ایک شخص اپنی بہترین صلاحیت کو عوام کے اندر اس اعلیٰ و پاکیزہ نظام کو روشناس کرتے ہیں صرف کرے
جو اصلاح نے ہمیں دیا ہے جہالت خاص برائی ہے جس کا مقابلہ کرنا ہے اور مثبت سائنس روشن ترین راستہ ہے
جس پر چلنا ہے۔ دوسری طرف زندگی کو سماج کے لئے قربان کر دینا چاہیئے۔ فرد ایسی سوسائٹی میں مجبور محض ہے اور
فطرت کے سامنے جس میں رہ کر وہ اپنی زندگی سماج کے لئے قربان کر دینے کا میلان نہ رکھتا ہو۔" ۱۷

ادب کے بارے میں اس سرکاری نقطۂ نظر کے ساتھ ساتھ ذہین طبقہ میں مواد اور نئے ادب کی زبان پر آزادانہ بحث و مباحثہ کو ترقی ہوئی۔ دراصل ترکی میں قومی ادب کی تخلیق کا مسئلہ درپیش تھا۔ قومی ادب کے بارے میں متضاد خیالات پائے جاتے تھے۔ کچھ لوگ تو قومی ادب کے تصوّر ہی کو مضحکہ انگیز کہتے ہیں جبکہ وہ وہ تمام چیزیں جو ترک نے ترکی زبان میں لکھیں اسے قومی ادب قرار دیتے ہیں۔ بعض قومی Nationalistic کے مترادف سمجھتے ہیں۔ لیکن اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ نئے قومی ادب کو اپنے موضوعاتی مواد ترک سوسائٹی کے ہر طبقہ سے لینا چاہیئے خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی اور زندگی کے تمام سماجی و معاشی اور تہذیبی پہلوؤں کو ممکن حد تک واقعیت پسندانہ اور فن کارانہ طور پر بیان کرے۔ یہ خیال دراصل عثمانی ادب کا ردِّ عمل تھا جس نے گاؤں کی زندگی کو اس کی قوتِ حیات سے علیحدہ کر دیا تھا اور بعد کے ابتدائی بیسویں صدی کے ادب کا ردِّ عمل تھا جس نے گاؤں اور اناطولیہ کو پناہ گاہ کی حیثیت دیدی تھی جس میں شہر کی حساس روحیں آکر پناہ لینتیں اور کسی ڈرامہ کا آخری ایکٹ اسٹیج کرتیں ۱۸۔ زندگی کی واقعیت پسندانہ اور فن کارانہ اظہار کو اہلِ قلم کے یہاں اولین ضرورت کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا۔ یاسر کمال جو ایک اُبھرتا ہوا نوجوان ناول نگار ہے لکھتا ہے "میں اپنی معلومات کو طویل تحقیق کے بعد قلم بند کرتا ہوں۔ میں کسی علاقہ کے لوگوں میں عرصہ دراز گذارتا ہوں جس کو میں نہیں جانتا میں نے ہر چیز میں بہت قریب ہو کر دلچسپی لی۔ درختوں، چڑیوں، عوامی گیتوں، گپ شپ، معیشت کے طریقوں اور مرد و زن سب میں دلچسپی لی۔ میں ان کی مقامی زبان سیکھتا ہوں اور اپنے آپ کو انھیں کے سانچہ میں ڈھال لینے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس طرح بالآخر میں انھیں میں سے ایک ہو جاتا ہوں ....
حسن اظہار اچھے فن کاروں کا کام ہے۔ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو اچھا فن کار نہ ہو پھر بھی اس نے

حسنِ بیان میں کامیابی حاصل کی ہو۔ حقائق کا قلم بند کرنا ادب کی ایک شاخ ہی بہت مشکل اور ترقی یافتہ ہے[19]
جب ایک بار ادب کے قومی ہونے کا سوال اس خیال کے تحت عام طور پر تسلیم کرلیا گیا کہ اسے ملک کے مسائل اور اس کی روح کی فطری فن کارانہ طریقہ سے عکاسی کرنی چاہیئے تو ادب کے سماجی مقصد پر بحث کو مرکوز کیا گیا۔ حال ہی میں یہ مباحث زیادہ گہرے ہو گئے ہیں۔ اس کی تشریح دراصل ایک طرح سے یوں کی گئی ہے کہ سوسائٹی اپنے ارتقائی مدارج دو سطحوں پر طے کر رہی ہے۔ شہر کے مخصوص طبقے جدید تمدن کے معیار تک تیزی سے پہونچ رہے ہیں، اس کے مقابلہ میں گاؤں، متعین علاقوں کے علاوہ، جمود کا شکار ہیں۔ اس لئے اہلِ قلم اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ادب اور روشن خیال طبقہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ آبادی کا بڑا حصہ اب بھی جہالت میں گرفتار ہے، بہت خراب حالات میں زندگی گذار رہا ہو۔ اس لئے سوسائٹی کا کام ہے کہ وہ اس کا علاج کرے۔ اس مفہوم میں پورا فن سماجی ہو۔ کیونکہ یہ سماج کے اندر سے وجود میں آیا ہو اور اسی کے لئے ہے، بہرحال اس سماجی حقیقت پسندی کو معتدل پسندوں کی جانب سے سخت موردِ تنقید بنایا گیا کیونکہ انھیں اس کے اندر انتہا پسندوں کا بھیس نظر آتا تھا۔ ۲۰۔

ادب میں 'اجتماعی' کے تعارف کا تصوّر پہلی بار باقاعدہ رسالہ Kadro کے ذریعہ ہوا۔ یہ نظریاتی رسالہ گورنمنٹ کی تائید سے ۱۹۳۴-۱۹۳۲ میں شائع ہوتا رہا۔ اس کا خاص مقصد ملک کے حقائق کے مطابق جمہوریہ کے لئے عمرانی و سیاسی فلسفہ فراہم کرنا تھا۔ یعقوب کادری جو ناشرین کا ایک رکن تھا جس نے 'اجنبی' کے عنوان سے ایک موثر ناول لکھا اس میں گاؤں کی آفت زدہ زندگی کو بیان کیا — اس کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ وہ ادب کو مصلحانہ ترقی پسند مقاصد کی سمت لیجائے جو اس کی نظر میں عمرانی اور قومی مفہوم رکھتے تھے۔ یہ رسالہ انتہا پسندانہ انحراف کی بنا پر بند کردیا گیا۔ اگرچہ اس کے خلاف ٹھوس ثبوت فراہم نہیں کیا گیا۔ یہ رسالہ ایسی یادگار اشاعت سمجھا جاتا ہے، جس نے ترکی کے روشن خیال طبقہ پر گہرا اثر ڈالا اور انھیں اجتماعی نقطۂ نظر سے غور و فکر کرنے کی جانب مائل کیا۔ اس کی تعلیمی قدر کو آج تسلیم کیا گیا۔ ۲۱

عمرانی میلان کے دو انتہا پسندانہ نقطۂ نظر رکھنے والے دو طاقتور اہلِ قلم، ناظم حکمت اور صباح الدین

ہیں جنھوں نے نمایاں اثرات چھوڑے۔ مقدم الذکر نے انقلابی نظمیں لکھیں اور آسان الفاظ کو استعمال کر کے یہ ثابت کر دیا کہ ترکی کتنی طاقت ور زبان ہے۔ صباح الدین نے مختصر کہانیاں اور ناولیں نئے اسٹائل سے لکھیں جس میں اناطولیہ اس کے مسائل کو حقیقت پسندی کے ساتھ بیان کیا۔ ان دونوں مصنفین کے یہاں باوجودیکہ دونوں جمہوریہ کے پرجوش مدافعت کرنے والے تھے طبقاتی اختلاف پر زور دیا گیا ہے۔ ۲۲

دوسرا معتدل قوم پرستانہ ادب تھا جو ۱۹۲۰ء تک بیشتر ادبی تخلیقات پر مشتمل تھا۔ یہ ادب جو اصلاح اور لادینی روح کے لئے وقف تھا اس کی نمائندگی چند شعراء کرتے تھے۔ ان میں ضیاء، رو شیک، صیفی ارحان، فاروق نفیسی، بجیت کمال اور پیامی صفا جیسے لوگ شامل تھے۔ ان لوگوں نے انفرادیت کا انکار کیا اور قوم کی تعریف پر پوری توجہ کی۔ یکمل انفرادیت کی قربانی اس جذبہ کے تحت کی جو ضیا گلپ کی روح سے بالکل مشابہ تھی۔ پیامی صفا نے انسان نہیں بلکہ ملت نامی کتاب لکھی، قومی نظموں نے بیشتر موضوعات اناطولیہ اور جدید ریپبلکن تاریخ سے حاصل کئے۔ لیکن صحیح حقیقت پسندی کی کمی کی بنا پر ان کا سلسلہ بند ہو گیا۔ مثال کے طور پر ارحان سیفی کی نظم نے اناطولیہ کو روئے زمین کا بہشت قرار دیا، جہاں انسان بے فکر ہو کر عیش کی زندگی گذارتا ہے لیکن اس طرز کی حماقت مثالی نہیں تھی۔ رسات نوری کی ناول "سبزرات" اور یعقوب قادری کی "والدنور" نے بکتاشیوں کے مبہم پسندانہ رسوم پر سخت حملے کئے۔ جدید تعلیم کی مدح سرائی کی۔ یہ دونوں آخری مقتدر مصنفین تھے جنھوں نے قوم پرستانہ مقاصد کو معاشرتی حقیقت کی اصلاحات سے جانچا۔ اس دور نے یحییٰ کمال کو پیدا کیا جو اگرچہ مملکتِ عثمانی کی عظمتِ رفتہ سے خاص طور پر تحریکیت حاصل کرتا ہے اور نیم صوفیانہ استشراقی جوش کے ساتھ لکھتا ہے۔ تاہم فرانسیسی شاعر Heredia کے طرزِ بیان کے بلند فنکارانہ فارم تک پہنچنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ احمد ہاشم کی اشاریت کا تذکرہ بھی ضروری ہے کیونکہ اس کی شاعری نے آئندہ نسلوں پر اپنا اثر چھوڑا ہے۔

ان رجحانات کے ساتھ ساتھ اور فنی محاسن کو پس پشت ڈالدینے کے ردعمل میں ایک نئی ادبی لہر اٹھی جس نے بالآخر رفتہ رفتہ طاقت ور دھارے کی حیثیت اختیار کرلی۔ اس لہر نے زندگی کے بارے میں جمہوریہ کے نئے تصورات کو اپنایا اور اس کے جدید مقاصد کو قبول کیا لیکن ہیئت پرستی اور ان تمام پابندیوں کو جو

فن پر عائد تھیں انھیں خیر باد کہدیا۔

اس متوازن درمیانی راہ کے نمائندے آخر کار ایک جماعت کی حیثیت سے حاملین مشعل بن کر نمودار ہوئے۔ یہ جماعت سات دوستوں پر مشتمل تھی جو کبھی کبھی موجودہ ادب پر اپنی بے اطمینانیوں پر بحث کرنے کے لئے جمع ہوتے تھے انھیں کے مباحث نے مشعل کے اجرا کی طرف رہنمائی کی۔ چنانچہ انقرہ سے ۱۹۲۸ کے اندر محض ۸ شمارے شائع ہوئے اور پھر کر اشاعتوں کا سلسلہ جاری رہا یہ ساتوں افراد جن میں چند اب بھی محرک ہیں، شعرا، مصنفین اور ناشرین کی حیثیت سے ترکی کے ذہنی ارتقا میں لازمی عنصر بن کر شریک وسہیم رہے، ۲۳ فرانسیسی surrelism اُن کی تخلیقی تحریک کا ذریعہ تھا لیکن اس نے اس قدر متعدد نئے ترکی خصوصیات کو اپنے اندر ضم کر لیا تھا کہ اس کا انفرادی مرتبہ باقی نہیں رہ گیا surrelism ایک ادبی تحریک جو فرانس میں پیدا ہوئی تھی اس میں خیال کا بالواسطہ اظہار رہتا تھا۔ ان حاملینِ مشعل نے ہر مکتبِ فکر سے اپنے کو علیحدہ کر کے احساس کے مخلصانہ اظہار کی حمایت کی انھوں نے آزار کی حمایت بھی ترک کردی" اصلیت، خلوص، ندرت مسلسل اُن کا دستور العمل تھا" یہ نظریات آخر کار" وجود" نامی رسالے میں عملاً پیش کئے گئے جو ۱۹۳۲ سے برابر یاسر کی ادارت میں شائع ہوتا رہا'' بقار'' ادبی ریویو اور اشاعت گھر دونوں کا نام ہے، اس کے ذریعہ ترکی کے متعدد موجودہ مصنفین مثلاً ارحان دیلی، سیت فائق، محموت حکمال وغیرہ متعارف ہوئے، سات ٹیلے، بھی بقار کی ادبی روایات کی اتباع کے ساتھ ادب کے معاشرتی فرائض پر زور دینے کی غرض سے وجود میں آیا تھا، جو آرٹ کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کے مطابق تخلیقی کتب اور تراجم شائع کرتا رہا۔ ۲۴

آج ادب کے تازہ مفہوم کو جسکی نمائندگی' بقار'، سات ٹیلے'، دوست'، اور' نئے آفاق' نے اپنا کر ترکی کی شاعری اور نثر کو بے حد متاثر کیا۔ مشہور ترین شعرا میں ان لوگوں کا نام سرفہرست ہے، ارحان دیلی فاضل حسنو، کیہٹ کلبی، احمد کرڈی ٹیسر، نیکیٹم کمالی، اکنی رنعت، سیم آلف کنسو، بیہت نکیتجل اور الحامی بکر ہیں، اگرچہ یہ سب فرد اور سماج کے قائل ہیں تاہم انھوں نے فنی فارم پر بنیادی طور پہ زور دیا ان کی نظمیں، جو بیشتر نظم معرا ہیں، محروم طبقہ کے ساتھ ہمدردانہ احساس کی حامل تھیں شہروں اور گاؤں کی

روزمرہ زندگی سے مواد فراہم کیا گیا تھا۔ لیکن یہ شاعری متعین طور پر انفرادی معاملات سے بحث نہیں کرتی، کبھی کبھی سماجی موضوعات کو واضح طور پر چھیڑتی ہے۔ مثلاً - غریب لڑکی کا مالدار شوہر کا خواب' دورافتادہ تاریک گاؤں، زندگی کی آخری ہچکیاں لیتا ہوا بےکس انسان۔ لیکن اس میں بھی واقعیت نگاری کا مفہوم اکثر مفقود نظر آتا ہے۔ بلا شبہ ایسے مجموعے بھی ہیں جیسے فاضل حسنو کا دیوان 'قانرگیتی' گاؤں کی زندگی اور اس کے تمام پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے، مگر کسی حد تک اسے مستثنیٰ قرار دے سکتے ہیں۔ کیونکہ اس جماعت کی بیشتر شاعری، جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں، خارجی اور تفصیلی اظہار بیان کے بجائے جذباتی اثر اندازی پر زور دیتی ہے، ظاہری طور پر توقع کے برخلاف قدیم اُمت پرستانہ مذہبی فکر کے حامل ادب نے بھی عمرانی شعور کو بیدار کرنے میں نمایاں حصہ لیا 'عظیم مشرق' نامی رسالہ جس کا مدیر نسیبق فاضل مشہور شاعر تھا۔ اس نے عدم مساوات، دولت مند طبقہ کی عیاشانہ زندگی جو اسلامی قانون کے سراسر خلاف تھی اس پر سخت تنقیدیں کیں، غریبوں کی حالت زار اور اخلاقی اصولوں کے زوال پر شدید ماتم کیا 'عظیم مشرق' کی نظر میں، جس نے تمام اصلاحات پر سخت حملے کئے' اخلاقی اصولوں کا مطلب عورتوں کا پردہ ہو" نئے ترکی ادب کے لئے ضروری تھا کہ وہ نئی زبان کا حامل ہو۔ آہستہ آہستہ اس کام میں کامیابی کسی حد تک "لسانی ادارہ" کے ذریعہ ہوئی لیکن بڑی حد تک اس کامیابی کا سہرہ بذاتِ خود مصنفین کے سر ہے۔ جنھوں نے اگرچہ نئے چند مخترعہ الفاظ کو استعمال کیا۔ لیکن مقامی زبان کی تراکیب اور مقبول اظہار بیان کو ترجیح دی۔ اس نئی زبان کے اندر جو بھی خامیاں ہوں، بہرحال نوجوان نسل نے اس کو اپنایا اور بیشتر جدید تصنیفات کی زبان یہی ہے۔

۱۹۵۰ء میں لسانی اصلاح پر نظرِ ثانی کی پالیسی نے عربی و فارسی اصلیت کے کچھ پرانے الفاظ جو ترکی زبان میں جذب ہو گئے تھے انہیں دوبارہ جگہ دی۔ لیکن اس نے نئی زبان کی ترقی کو کسی طرح بھی مسدود نہیں کیا۔

ترکی کی تہذیب کو مغربی رنگ میں رنگنے کا منصوبہ بنانے والے یقین رکھتے تھے کہ جدید ترکی ادب بغیر کلاسیکل اور انسان دوستی Humanism کی روایات کے ترقی نہیں کر سکتا۔ پرانا عثمانی ادب انسانی محبت کے تصور سے خالی تھا اس لئے وہ بنیاد نہیں بن سکتا تھا جس کے نتیجہ میں غیر ملکی زبانوں کی کلاسیکل کے ترجمہ کو بنیادی ضرورت سمجھا گیا۔ اس ضرورت کی وجہ محض یہی نہیں تھی کہ انسان دوستی کی روح

حاصل کی جائے بلکہ اس کے ذریعہ نثری ذوق کی ترقی ہو اور نمایاں منظم صورت میں خیالات کے اظہار کی قدرت پیدا ہو۔ چونکہ پرائیویٹ اشاعتی ادارے بغیر کسی منصوبے اور کتابوں کی کیفیت کو نظرانداز کرکے غیرملکی تصنیفات شائع کرتے تھے اس لئے حکومت نے خود بھی ۱۹۴۰ میں ترجمہ کا پروگرام شروع کرایا۔ اس کے نتیجہ میں ۶۰۰ کتابوں کے ترجمے ہوئے ان تراجم میں پُرانے فلسفیوں سے لیکر جدید ناولوں کا ہر مالدار زبان سے انتخاب کیا گیا۔ ان ترجموں میں کیفیت پر خاص طور پر زور دیا گیا۔ ان کی قیمتیں بہت کم تھیں۔ تاکہ طلبا اور اساتذہ انھیں خرید سکیں۔ ۱۹۴۷ء میں ترجمہ کا پروگرام وسیع کر دیا گیا تاکہ سماجی علوم Social Sciences کے تمام میدانوں کی کتابیں اس دائرہ کے اندر آجائیں آج بھی یہ کام جاری ہے ۲۵۔ پرائیویٹ اشاعتی اداروں نے بھی سرکاری مقابلہ کے لئے اپنے ترجمہ کے پروگرام کو ترقی دی ان کتابوں کے ترجمہ کا بھی اہتمام کیا جو سرکاری ترجموں میں شامل نہیں تھیں۔ اس طرح ترکی آج اعلیٰ قدر و قیمت کی حامل مترجمہ کتابوں کے وسیع ذخیرہ کا مالک ہے جو ہر ذوق کو مطمئن کرنے کے قابل ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے مصنفین میں سے چند ایسے ہیں جو ترکی میں بہت کم پسند کئے جاتے ہیں مثلاً بلزاک، ہوگو، اسٹینڈہال، ڈکنس، السن، گورکی اور گوگول۔ Panait کا خاص طور پر تذکرہ ضروری ہے۔ کیونکہ انسانیت سے پرجوش محبت نے اسے اپنے وطن رومانیہ سے زیادہ ترکی میں شہرت عطا کی۔ آخری دس سالوں میں امریکی مصنفین مثلاً کیلڈویل، ہمینگ وے، اسٹین بیک، سرویَن، بک اور کیپوٹی نے وسیع مقبولیت حاصل کی۔ ان مصنفین کی تحریکیت Dynamism اور بنی نوع انسان سے ہمدردی، نیز آمد اور رد و اجیت سے آزادی نے متعدد ترک اہل قلم کو متاثر کیا۔ ۲۶

ادب کے نئے مفہوم کو، جو اوپر بیان کیا گیا ہے، پھیلانے کی غرض سے وزارت تعلیمات نے ۱۹۴۵ء میں جونیئر اور ہائی اسکول کی نصابی کتب کو دوبارہ مرتب کرایا۔ پہلے کی نصابی کتابیں ادیبوں شاعروں کی زیادہ تر سوانحی اور تاریخی واقعات کے مطالعہ پر مشتمل تھیں مگر نئی درسی کتب کا مطالعہ براہ راست ترکی اور غیرملکی ادب پاروں سے ماخوذ تھا۔ مطالعہ کا نیا اصول اب بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ سوائے ایک درسی کتاب کے جو وزارتِ تعلیمات کی جانب سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سی کتابیں ہیں جسے استاد منتخب کر سکتا ہے ۲۷۔

درسی کتابیں بہر حال وزارتِ تعلیمات سے منظور شدہ ہونی چاہئیں۔

ترکی ادب اپنی تمام ترقیوں کے باوجود ۱۹۴۰ تک ایک بنیادی نقص میں جکڑا رہا۔ یہ ادب خاص طور پر شہر کے ذہین طبقوں تک محدود رہا۔ گاؤں جس میں ۸۰ فیصد ترک آبادی ہے اسے نظرانداز کردیا گیا ہے۔ کچھ ذہین لوگ جو اصلاً دیہات سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے جہاں تک ہوسکا معاشرتی انتشار سے بچنے کے لئے اپنے پس منظر کو چھپایا، اس حقیقت کے باوجود 'عوامی گھروں' اور چند رسالوں نے گاؤں کے مسائل پر بحث کرنے کی کوشش کی۔ پھر اس جماعت کے نمائندے کو براہ راست ان سرگرمیوں میں کوئی نمایاں اہمیت حاصل نہیں ہوئی۔ بہر حال گاؤں والوں نے اپنی کوشش کے ذریعہ ادب کے میدان میں قدم رکھا اور اس کے پورے نقطۂ نظر کو بدل کر رکھ دیا۔ دیہاتی ادب کی ابتدا ان 'دیہاتی اداروں' سے شروع ہوئی جو ۱۹۴۰ء میں قائم کئے گئے۔ ان اداروں کا قیام اس لئے ہوا تھا کہ دیہات کے رہنے والوں کی ناخواندگی دور کی جائے، اس کے لئے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ ان اداروں میں دیہات کے بچے لائے جاتے، وہاں انھیں تعلیم دی جاتی" ۱۹۵۲ء تک اکیس ادارے قائم ہوئے جس سے بیس ہزار لوگوں نے گریجویشن کیا" اور پھر انھیں بحیثیت اُستاد مقرر کیا جاتا۔ ان اداروں کا نصاب بے شک اور لچکیلا تھا، نظریاتی کورس اور عملی کاموں پر مشتمل تھا جس کا مقصد طلبار کے اندر مشاہدہ کی قوت، خود اعتمادی اور اقدام کی صلاحیتیں پیدا کرنا تھا تاکہ ان کے اندر بحیثیت اُستاد کے گاؤں کے سخت حالات کا مقابلہ کرنے کی لیاقت پیدا ہو۔

(باقی)

علمار ہند کا شاندار ماضی

(جلد اوّل) از حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب۔ مصنف نے نظر ثانی کے بعد اس کو طبع کرایا ہے اس کتاب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اُن کے خلفار کے حالات، اُن کے سیاسی کارنامے، سیاسی ماحول اور دولت مغلیہ کے چار مشہور سلاطین، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر کے حالات، سیاسیات اور سلطنت مغلیہ کے نظامِ حکومت کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ قیمت جلد اول مجلد ۸/۵۰ جلد دوم ۳/۵۰ جلد سوم ۲/- جلد چہارم ۷/۵۰

مکتبۂ بُرہان۔ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی ۶